اختر حسین عزمی

شورائی اجتہاد

عالم اسلام میں سب سے زیادہ قبولیت عامہ جس فقہ کو حاصل ہوئی وہ حنفی فقہ ہے۔ اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ امام ابوحنیفہ کا شورائی اجتہاد کا طریقہ ہے۔ اس طریقۂ اجتہاد میں مختلف صلاحیتوں کے حامل اذہان ایک مسئلہ کے ہر رخ پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں جس کے نتیجے میں غلطی کا امکان کم سے کم رہ جاتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب مختلف میلانات ورجحانات کی حامل شخصیات کسی معاملہ پر بحث کرتی ہیں تو فیصلہ متوازن اور معتدل نقطۂ نظر پر ہوتا ہے اور متوازن بات کو عملی زندگی میں خود بخود شرف قبولیت حاصل ہو جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام شافعی کے استاد امام وکیع بن الجراح امام ابوحنیفہ کے فیصلوں کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''امام ابوحنیفہ (کے اجتہادی کام میں) غلطی کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ ان کے ساتھ قیاس واجتہاد میں ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے لوگ تھے۔ یحییٰ بن زائدہ، حفص بن غیاث اور علی کے دونوں بیٹوں حبان اور مندل جیسے حفاظ اور ماہر حدیث شریک مجلس ہوتے اور لغت عربی کے ماہر قاسم بن معن یعنی ابن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود اور داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ رکھنے والے حضرات وہاں موجود ہوتے تھے۔ جس شخص کے رفقاے کار ایسے ہوں، وہ ہرگز غلطی نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ یقیناً اس کو حق کی طرف واپس لے آتے۔'' (جامع المسانید ۱/ ۳۳)

عہد صحابہ وتابعین میں شورائی اجتہاد

قبل اس کے کہ امام ابوحنیفہ کے شورائی اندازِ اجتہاد پر بات کی جائے، ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس طریقۂ اجتہاد کے بارے میں احادیث وآثار صحابہ میں جو نظائر ملتے ہیں، ان کا مختصر ذکر کر دیا جائے۔

حضرت میمون بن مہران حضرات ابوبکر وعمر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بھی ان کے ہاں کوئی اختلافی معاملہ پیش آتا جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صراحت نہ ہوتی تو آپ فقہا صحابہ کے مشورے سے اس کا فیصلہ صادر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فرماتے۔[1]

شیخین کا یہ طریقۂ اجتہاد رسول اللہ کے اس ارشاد سے مطابقت رکھتا ہے کہ جب حضرت علی نے سوال کیا کہ اگر کسی مسئلے میں کتاب وسنت میں صریح نص نہ ملے تو پھر ہم کیا کریں آپ نے فرمایا:

''ماہرین شریعت اور عبادت گزار لوگوں سے مشورہ کرو اور انفرادی رائے کو اختیار نہ کرو۔'' (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا:

''(غیر منصوص) معاملات کو عبادت گزار مومنین کی شوریٰ کے حوالے کرو اور انفرادی رائے پر کوئی فیصلہ مت کرو۔''

(مجمع الزوائد ۱/۱۷۸)

شیخین کے اس طرز عمل میں قرآن مجید کے ارشادات وشاورهم فی الامر اور وامرهم شوریٰ بینهم کی اتباع بھی ملحوظ تھی۔

حضرت ابوبکر کا معمول ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

''وہ سرداران قوم اور ان کے بہترین لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کرتے۔ بحث سے جب کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔'' (دارمی ۱/۵۸)

''کنز العمال'' میں اس کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ: وکذالك يفعل عمر۔[2]

صحاح ستہ میں بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضرت عمر کے ہاں باقاعدہ اہل شوریٰ کا اجتماع ہوتا اور پوری بحث وتمحیص کے بعد کوئی متفقہ بات طے پاتی تو اسے نافذ کر دیا جاتا، جیسے مال غنیمت کے بارے میں بحث ہوئی۔ حضرت عمر اپنے گورنروں کو بھی اسی طریقۂ کار پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت شریح سے فرمایا: قرآن مجید میں جس حکم کی صراحت ہے، اس کے متعلق کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جس حکم کی صراحت نہیں ہے، اس کے لیے حدیث کی طرف رجوع کرنا، اگر اس میں بھی اس کی صراحت نہ ہو تو اس معاملہ میں اجتہاد کرو اور اہل علم افراد سے مشورہ کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر موجود علما سے مشورہ کرو۔[3]

علامہ الجوینی فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام عام فیصلوں، فتاویٰ اور واقعات کے بارے میں تحقیق سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ کسی معاملہ میں اگر قرآن میں صراحت نہ ہوتی تو سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت میں بھی اس کا کوئی حل نہ ملتا تو

۱۔ تاریخ التشریع الاسلامی ۱۲۸۔

۲۔ حاشیہ مسند احمد ۲/۱۶۶۔

۳۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۵۶۔ ابن قیم، اعلام الموقعین ۲/۱۳۲۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اجتہاد کرتے اور مشورے کرتے۔ وہ اسی طریقے پر کاربند رہے اور ان کے بعد تابعین نے بھی اس طریقہ پر عمل کیا۔[۴]

اسی طریقہ کی پیروی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مدینہ کے گورنر ہوئے تو مروان کے گھر میں دس ممتاز فقہا کو مدعو کیا جن میں عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عامر اور خارجہ بن زید شامل تھے۔ ان کے جمع ہونے پر فرمایا: ''میں نے آپ حضرات کو جس کام کے لیے زحمت دی ہے، ان شاءاللہ آپ عنداللہ مامور ہوں گے، نیز حق کے معاونین میں آپ کا شمار ہوگا۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی رائے اور مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کروں۔[۵]''

اندلس میں اموی قاضی القضاۃ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی نے بھی فقہی مسائل پر غور وخوض کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ بنائی ہوئی تھی جس کے ممبران کی تعداد کبھی کبھی سولہ تک ہو جاتی تھی۔[۶]

امام ابوحنیفہ کی مجلس تشریع اسلامی

خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کی وجہ سے حکمرانوں کی طرف سے شرعی مسائل کی تحقیق کے لیے شورائی نظام قائم کر کے مسائل طے کرنے کا اہتمام نہ رہا تو عندالضرورت فقہا و مجتہدین کے ہاں انفرادی اجتہاد کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر مجتہد و فقیہ اجتہادی مسائل میں اپنی شخصی رائے سے فیصلہ کرنے لگا۔ اور اس کے معتقدین و تلامذہ اس کے علم و تقویٰ اور اجتہادی اہلیت کی بنا پر اعتماد کر کے اس شرعی حکم کی پیروی کرتے۔ ان حالات میں امام ابوحنیفہ نے غیر سرکاری طور پر اپنے تلامذہ و مسترشدین کے حلقہ میں مسائل شرعیہ کی تحقیق کے لیے باقاعدہ ایک اجتماعی شورائی نظام قائم کیا۔ خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد امام ابوحنیفہ حجاز مقدس سے اپنے شہر کوفہ آئے اور یہاں شریعت اسلامی کو باقاعدہ ضابطۂ قانون کے قالب میں ڈھالنے کے لیے وضع قانون کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس کے رئیس وہ خود تھے۔ آپ کے سوانح نگار موفق لکھتے ہیں:

''پھر امام ابوحنیفہ نے اپنے مکتب فکر کو باہمی مشاورت پر استوار کیا۔ ارکان شوریٰ سے الگ رائے کے ساتھ تدوین کو وابستہ نہیں کیا۔'' (موفق ۲/۱۲۳)

اس مجلس میں فقہی مسائل کو زیر بحث لانے اور فیصلہ کرنے کا طریقہ یوں بیان ہوا ہے:

''وہ اس مجلس میں ایک مسئلہ پیش کرتے۔ لوگوں کے خیالات و معلومات کو الٹ پلٹ کر معلوم کرتے، ان کی باتیں سنتے اور جو علم انھیں خود ہوتا، اسے بیان کرتے۔ اہل مجلس سے مناظرہ کرتے جو مہینا مہینا بھر یا اس سے بھی زیادہ مدت جاری رہتا،

---

۴ امام الحرمین الجوینی، غیاث الامم فی التیاث الظلم ۴۳۱۔

۵ اصول التشریع الاسلامی، علی حسب اللہ ۱۴۸۔

۶ علم اصول فقہ، شیخ عبدالوہاب خلاف ۵۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہاں تک کہ مسئلے کا کوئی ایک پہلو متعین ہو جاتا اور مسئلہ طے ہو جاتا۔'' (موفق ۲/ ۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن مبارک کے حوالے سے موفق نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک فقہی مسئلہ اس مجلس میں بحث کے لیے پیش ہوا تو تین دن تک ارکان مجلس اس ایک مسئلے پر غور و خوض کرتے رہے۔ مشہور محدث سلیمان اعمش نے اس مجلس کے طریق کار اور تحقیقی انداز کی بہت خوب صورت تصویر کشی کی ہے، فرمایا: جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو ارکان مجلس اس مسئلے کو گردش دیتے رہتے۔ (یعنی سب اپنی اپنی دلیلیں باری باری دیتے) بالآخر اس کو خوب روشن اور واضح کر دیتے ہیں۔

اس مجلس میں ہر فرد کو اپنی رائے اور اس کی دلیل پوری آزادی کے ساتھ پیش کرنے کی آزادی تھی۔ اس بارے میں ابوسلیمان جوزجانی ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام صاحب کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک نوجوان نے حضرت امام سے ایک سوال کیا۔ آپ نے اس کا جواب دیا۔ جواب سنتے ہی اس نوجوان نے بے دھڑک حضرت امام کو مخاطب کر کے کہا: آپ نے غلطی کی۔ اس طرز گفتگو کو دیکھ کر میں حیران ہوا اور اہل مجلس کو کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم لوگ اپنے استاد کا احترام نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں فوراً ہی خود امام صاحب نے فرمایا: تم ان لوگوں کو چھوڑو میں نے خود ہی ان کو اس طرح بات کرنے کا عادی بنایا ہے۔ دوسری طرف جوزجانی سے یہ بھی منقول ہے کہ جب مجلس میں امام ابوحنیفہ تقریر شروع کرتے تو سب کے سب چپ ہو جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی مجلس میں موجود ہی نہیں۔ حالانکہ اس وقت مجلس میں جید علما حاضر ہوتے اور خود امام محمد نے اس مجلس کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی عادت تھی کہ وہ تلامذہ کے ساتھ مناظرہ کرتے۔ تلامذہ کبھی تو امام صاحب کی بات مان لیتے اور کبھی امام صاحب کے دلائل اور رائے کے مقابلے میں اپنی رائے اور دلیلیں پیش کرتے۔

عبداللہ بن نمیر نے اس مجلس کی نقشہ کشی یوں کی ہے:

> ''امام ابوحنیفہ جب مجلس میں تشریف فرما ہو جاتے تو ان کے اردگرد ان کے رفقا و تلامذہ بیٹھ جاتے۔ جن میں قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، داؤد طائی، زفر بن ہذیل اور اسی قسم کے اور لوگ ہوتے۔ اس کے بعد کسی مسئلے کا ذکر چھڑ جاتا، پہلے امام صاحب کے تلامذہ اپنی اپنی معلومات کے لحاظ سے اس مسئلے پر بحث کرتے اور خوب کھل کر گفتگو کرتے، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں۔ جب باتیں بہت بڑھ جاتیں اور سارے پہلو سامنے آ جاتے تب آخر میں امام صاحب اپنی تقریر شروع کرتے۔ امام صاحب کی تقریر جس وقت شروع ہو جاتی تو سارے خاموش ہو جاتے اور جب تک امام صاحب تقریر فرماتے کوئی کچھ نہ بولتا۔'' (موفق ۲/ ۱۵۰)

حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ طریقہ تھا کہ مجلس میں جس وقت بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو بار بار ان کی زبان پر قرآنی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آیت و بشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ جاری ہو جاتی یعنی شرکاے مجلس کو اس طرح یہ سمجھایا جاتا کہ ہم اس وقت احسن القول کی تلاش و جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے اجتہادی مسائل کے بارے میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے: ھو احسن ما قدرنا علیہ۔ یعنی جہاں تک پہنچنا ہمارے بس میں تھا، اس میں سے بہتر پہلو مسئلے کا یہی ہے۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہ کی اس مجلس میں اسی طرح آزادانہ بحث و تمحیص، مناظرہ اور دلائل پیش کرنے کے بعد جو فقہی قوانین طے پائے ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ اور خوارزمی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ تراسی ہزار مسئلے اس مجلس میں طے ہوئے تھے۔ ان تراسی ہزار دفعات میں سے صرف اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی پینتالیس ہزار دفعات کا تعلق معاملات سے ہے۔[۷]

اوصاف مجتہد اور عصر حاضر

اجتہاد اپنے اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے کسی معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرنے کا نام ہے۔[۸] علما نے مجتہد کے لیے جن شرائط کو لازمی قرار دیا ہے، ان میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے لغوی و شرعی مفاہیم اور آیات احکام سے واقف ہو، نیز قرآن سے متعلق دوسرے علوم جیسے ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید اور سبب نزول کی معرفت رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اسے سنت نبوی کی پوری معرفت حاصل ہو۔ احکامی احادیث، اصطلاحات حدیث اور فن اسماء الرجال پر عبور حاصل ہو۔ تیسرے اسے ان مسائل کا علم ہو جن پر پہلے سے اجماع ہے۔ چوتھے عربی زبان و ادب کی تمام نزاکتیں اور جزئیات اسے مستحضر ہوں۔ پانچویں یہ کہ اصول فقہ کا علم رکھتا ہو۔ دلائل اور ان کے مدلولات کا باہمی رشتہ کیا ہے، اور دلائل میں تعارض کے وقت ترجیح کے اسباب و وجوہ کیا ہوتے ہیں نیز ناسخ و منسوخ کی شرائط کا علم ہو۔ اسی طرح قیاس، اس کی شرائط، اس کے ارکان اور اقسام سے باخبر ہو اور ان اصول و قواعد کا علم رکھتا ہو جن کی بنا پر مجتہد شرعی احکام کا استنباط کرتا ہے۔[۹]

مذکورہ بالا شرائط کے بارے میں بعض علما کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں کسی ایک شخص کے اندر ان تمام صفات کی موجودگی محال ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مجتہد مطلق کے اندر ان تمام صفات کا موجود ہونا ضروری ہے جس کی بنا پر وہ مقررہ مسالک کے قواعد سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے طے کردہ اصولوں کی بنیاد پر اجتہاد کر سکتا ہو، لیکن فی زمانہ ایسی قابلیت مفقود ہے۔[۱۰]

۷۔ سید مفتی سیاح الدین کاکاخیل، اسلامی قانون کی تدوین، سہ ماہی ''فکر و نظر'' اکتوبر ۱۹۸۱، ج ۱۹، شمارہ ۴، ص ۵۴۔

۸۔ المستصفیٰ، امام غزالی ۲/ ۳۵۰۔

۹۔ المستصفیٰ، امام غزالی ۲۔ ۳۵۰۔ ۳۵۲۔ الاعتصام، الشاطبی، ابو اسحاق ۲/ ۲۹۷۔ التلویح علی التوضیح، تفتازانی، سعد الدین ۲/ ۱۷۷۔ اصول السرخسی، السرخسی، احمد بن ابی سہیل ۱/ ۳۱۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مجتہد مطلق کا وجود اب نایاب ہے، لیکن دوسرے مجتہدین ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔ اس لیے جمہور علما نے اجتہاد کے موضوع پر ایک دوسرے پہلو سے بھی گفتگو کی ہے، وہ یہ کہ اجتہاد شعبہ جاتی اور جزئی بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی ایک فن یا علم کے کسی ایک شعبہ میں درجۂ اجتہاد کو پہنچنا۔ اس لیے کہ جزئی اجتہاد کی شرائط سہل اور آسان ہیں جیسا کہ علامہ آمدی کے نزدیک جزئی اجتہاد کے لیے یہی کافی ہے کہ اجتہاد کرنے والا متعلقہ مسئلے سے واقف ہو، غیر متعلق مسائل سے اس کی ناواقفیت اس کی اس اہلیت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔[۱۱]

امام رازی کے مطابق اگر کوئی شخص اجتہاد کے لیے مشروط علوم میں کمال حاصل کر لے تو یہ اس کی اعلیٰ صورت ہے، لیکن اگر وہ کسی ایک فن یا مسئلہ میں اجتہاد کی شرائط پوری کر دے تو اس کے لیے اجتہاد جائز ہوگا۔ اگرچہ اس بات پر بعض علما کا اختلاف ہے۔[۱۲]

عصر حاضر میں شورائی اجتہاد کی ضرورت

مجتہد کے لیے ان کڑی شرائط اور جزئی اجتہاد کی گنجایش کے پیش نظر عصر حاضر کے مسائل سے نمٹنے کے لیے قابل عمل راستہ یہی نظر آتا ہے کہ شورائی اجتہاد کی اسی شکل کو آج بھی اختیار کیا جائے جسے امام ابوحنیفہ نے اپنایا تھا۔ آج شورائی اجتہاد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے کہ عرصہ دراز تک اجتہاد کا دروازہ بند رہنے کی وجہ سے پہلے تو کوئی اجتہاد کی جرأت ہی نہیں کرتا اور اگر کوئی کر لیتا ہے تو معاشرے میں اس پر اعتماد اور قبولیت کے لیے دلوں میں وسعت نہیں ہے۔ کسی کو کسی مجتہد کے علم پر اور کسی کو اس کے تقویٰ پر بھروسا نہیں ہے۔ تقویٰ وللّٰہیت بھی عنقا ہے، اس لیے شورائی اجتہاد کی صورت میں لوگ ایک ادارے کے اجتماعی فیصلوں پر نسبتاً زیادہ اعتماد کریں گے۔ یہی ایک راستہ ہے جس کے ذریعے سے اجتہاد کے بارے میں خوف اور جمود کی کیفیت ختم ہو سکتی ہے اور جس میں غلطی کے در آنے کے امکانات بھی کم ہو جائیں گے اور تاریخ فقہ بھی اسی راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

دوسرے جدید علوم کی کثرت نے نئے نئے سیاسی و معاشرتی مسائل اور وسائل کو جنم دیا ہے جن کی وجہ سے فکری رویوں میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان رویوں میں جہاں شریعت کے لیے خدشات ہیں، وہاں بہت سے امکانات کے دروازے بھی کھل رہے ہیں۔ جیسا کہ بارہویں صدی کے عالم امام صنعائی فرماتے ہیں: ''حق بات یہ ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد گزشتہ زمانے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے، البتہ اس کے لیے حوصلہ مندی، فکر کی سلامتی، فہم صحیح اور کتاب وسنت کے اندر

۱۰؎ الرد علی من اخلا الی الارض، السیوطی ۱۱۳۔

۱۱؎ الاحکام فی اصول الاحکام، الآمدی ۲/ ۲۲۱۔

۱۲؎ المحصول تحقیق طٰہٰ جابر علوانی، رازی ۲/ ۳۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مہارت جیسی صفات کی ضرورت ہے۔''[۱۳]

زمانۂ حال میں اجتہاد کی شرائط کو پورا کرنا اس اعتبار سے آسان ہو گیا ہے کہ طباعت کتب اور اشاعت مخطوطات میں آسانی کی وجہ سے ذرائع علم کی فراوانی ہے۔ مجموعہ ہاے احادیث موجود ہیں جن میں متنوع انداز و اسالیب پر حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں جن سے صحیح اور غیر صحیح کی تلاش بھی آسان ہو گئی ہے۔ اسی طرح احادیث کے اشاریے اور الفاظ اور موضوعاتی اشاریے موجود ہیں۔ ان سب اسباب و وسائل کی موجودگی کی بنا پر پیش آمدہ مسائل میں راہ عمل کا تعین کرنا آسان ہو گیا ہے۔[۱۴]

فکری و اجتماعی رویوں میں ایک مثبت تبدیلی یہ ہے کہ آج بحث و گفتگو اور مکالمے کے ذریعے سے آزادانہ طور پر رائے قائم کرنے کو پسندیدہ طریقہ گردانا جاتا ہے۔ فتوے کے انداز میں علمیت کا حاکمانہ اظہار ناپسندیدہ ہوتا جا رہا ہے، اس اعتبار سے بھی امام ابوحنیفہ مجلس قانون ساز کا انداز جدید ذہن کو اپیل کرتا ہے۔

دور جدید میں حالات و مسائل اور مصالح عامہ کے تغیر اور کثرت علوم کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت جس قدر بڑھ چکی ہے۔ کوئی ایک یا چند منفرد مجتہدین الگ الگ اس کو پورا نہیں کر سکتے، اس لیے کہ منفرد مجتہد کو اصل مسئلہ کی تمام تفصیلات سے آگہی ایک مشکل امر ہے۔ کسی اجل عظیم کے انتظار کے ہم مکلّف نہیں ہیں، بلکہ بحالت موجودہ وسائل افراد اور دیگر وسائل کے مہیا کرنے کے ہی ہم مکلّف ہیں۔ اس کا راستہ یہی ہے کہ جدید دور میں ادارہ سازی کا جو معروف و مروج طریقہ ہے، اس کو اختیار کر کے موضوعات کو تقسیم کرتے ہوئے حسب صلاحیت اور حسب دلچسپی افراد کو کام تفویض کیا جائے۔ بہت سے جدید علوم ایسے ہیں جن کا علم شرط اجتہاد تو نہیں ہے، لیکن موجودہ زمانے میں بہت سے شرعی معاملات پر وہ علوم اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسے طب، اگر زیر اجتہاد قضیہ اس علم سے متعلق ہے تو ایسی صورت میں مجتہد کو طبی ماہرین سے استفادہ کی ضرورت پیش آئے گی اور ان کی فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر حکم شرعی مرتب ہوگا۔ اس اہمیت کے پیش نظر مختلف شعبہ جات کے ماہر ایسے افراد کی ضرورت بھی ہے جو اگرچہ مجتہدانہ صلاحیتوں کے مالک نہ بھی ہوں، مگر تقویٰ اور فقہ کے بنیادی اصولوں سے آگاہ ہوں تاکہ ان کے شعبے کے متعلق مجتہد کی آرا پر وہ بھی تنقیدی و تائیدی بحث کر سکیں۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب شورائی اجتہاد کے لیے کوئی ادارہ وجود میں آئے۔ چنانچہ عصر حاضر کے مفکر و مدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی اس پہلو کے پیش نظر اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس طرح کے مسائل پر انفرادی طور پر جو رائیں ظاہر کی جا رہی ہیں، خواہ علماے دین کی طرف سے یا غیر علماے دین کی طرف سے، ان سے ایک ذہنی انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح کے مسائل پر صحیح رائے قائم کرنے کے لیے مذہب کے گہرے مطالعے کی بھی ضرورت ہے اور ان سوالات کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے جو فی الواقع سائنس کی

---

[۱۳] ارشاد النقاد الی تیسیر الجہاد، الصنعانی ۱/ ۱۱-۱۲۔

[۱۴] معالم الشریعۃ الاسلامیہ، صبحی صالح ۳۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ترقیوں نے پیدا کر دیے ہیں۔ اس وجہ سے علما اور غیر علما، دونوں ہی گروہوں کے لیے ہمارا ناچیز مشورہ یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل پر اپنے اپنے طور پر اظہار رائے کے بجائے اجتماعی طور پر غور کرنے اور رائے قائم کرنے کی کوئی شکل اختیار کریں تاکہ وہ معاشرے کو صحیح رہنمائی دے سکیں۔'' (اسلامی قانون کی تدوین، ۱۱۱۔۱۱۲)

مجمع البحوث الاسلامیہ کی پہلی کانفرنس منعقد ۱۳۸۳ھ قاہرہ میں منظور کردہ قرارداد میں بھی پیش آمدہ مسائل کے شرعی حل کے کے لیے اجتماعی اجتہاد کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا اور کہا گیا:

''اگر فقہی مذاہب کے احکام ایسے ہوں جن سے مقصد پورا نہ ہوتا ہو تو مسلکی اجتماعی اجتہاد ہوگا اور اس سے بھی اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو مطلق اجتماعی اجتہاد کیا جائے گا۔ اور حتی المقدور یہ مجمع ان وسائل کی فراہمی کا انتظام کرے گا جن سے اس طرح کے اجتماعی اجتہادات کی راہ ہموار ہو سکے۔'' (الموتر الاول لمجمع ۱۰۔۱۱)

علامہ شیخ احمد شاکر نے مصر کے ماہرین قانون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تقلید محض کی میں پوری طرح مخالفت کرتا ہوں، خواہ متقدمین کی تقلید ہو یا متاخرین کی۔ ایسے ہی انفرادی اجتہاد بھی وضع قانون کے لیے مفید نہیں ہے، بلکہ فردِ واحد کے تعلق سے یہ محال ہے جس چیز کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں، وہ اجتماعی وشورائی اجتہاد ہے اور یہی چیز مفید ہے، کیونکہ جب مختلف آرا کا باہم تبادلہ ہوگا تو ان شاء اللہ صحیح بات نکل آئے گی۔''

(الشرع واللغۃ ۸۹)

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ فرماتے ہیں:

''کسی فرد واحد یا متعدد افراد سے جو مختلف موضوعات پر اپنے طور پر کام کر رہے ہوں یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔ لہٰذا ایک ایسی اکیڈمی کی ضرورت ہے جو ہر سال پیش آمدہ مسائل پر علما کو دعوت تحقیق دے اور ہر موضوع کا اپنے موضوع کے اعتبار سے اس کی تفصیلات کا مطالعہ کرے۔ پھر اجتماعی طور پر ہر سال مذاکرہ ہو جس میں ہر فرد اپنے نتائج تحقیق پیش کرے۔ پھر اجتماعی قرارداد منظور کی جائے اور اس کی بنیاد پر شرعی حکم کا نفاذ ہو۔ جس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو۔ میرے نزدیک اسی عمل کا نام اجماع ہے۔'' (الاسلام والحیاۃ ۱۸۷)

اسی طرح شیخ عبدالوہاب خلاف، شیخ محمود شلتوت، شیخ مصطفیٰ الزرقا اور شیخ محمد طاہر بن عاشورہ نے بھی اجتماعی اجتہاد کی ضرورت کا احساس اجاگر کیا ہے۔

شورائی اجتہاد کی افادیت

صریح اجماع ایک امر محال ہے۔ اس صورت میں صرف اجتماعی اجتہاد ہی فقہ اسلامی کی حیات اور اس کے فروغ وارتقا کا ضامن بن سکتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے عصری مشکلات ومسائل کا ایسا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے جس میں شک وشبہ کا امکان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بہت کم رہ جائے۔ اس لحاظ سے شورائی اجتہاد کی بڑی افادیت ہے۔ چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ انفرادی اجتہاد کے مقابلے میں شورائی اجتہاد کا فیصلہ حق سے زیادہ قریب ہوتا ہے، کیونکہ ہر بات تفصیلی بحث و تحقیق کے ذریعے سے طے پاتی ہے، جس میں ہر مسئلے کے تمام اطراف و جوانب پر کافی غور ہوتا ہے۔ جبکہ منفرد مجتہد کو اگر ایک رخ معلوم ہوگا تو اس کا دوسرا پہلو اس پر مخفی بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے زیادہ امکان ہے کہ وہ کسی ناقص فیصلہ پر پہنچ جائے۔

۲۔ انفرادی اجتہاد میں ذاتی مفاد کے حصول اور دوسروں کی خواہشات کی پیروی کا امکان رہتا ہے، جبکہ اجتماعی اجتہاد کی بدولت دین فروشوں اور اہل ہوس کو جھوٹے فتووں کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں مل سکتا۔

۳۔ شورائی اجتہاد میں چونکہ باہمی مشاورت کے ذریعے سے کسی مسئلے کے شرعی حل تک پہنچا جاتا ہے، اس لیے اس میں ہر مکتب فکر کے دلائل ایک دوسرے کے سامنے آ جاتے ہیں، اس وجہ سے علما کے اختلاف کی شدت میں کمی آ سکتی ہے اور بہت سی عوامی غلط فہمیوں اور مسلکی تعصّبات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس کے نتیجے میں راہ اعتدال کو اختیار کرنے والے نئے مجتہدین کی بڑی کھیپ تیار ہو سکتی ہے۔

۵۔ جدید علوم کے ماہرین پر بھی حکمت دین آشکار ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل و توضیح سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر ہم پیش آمدہ مسائل و مشکلات سے عہدہ برآ ہونے اور زندگی کی اسلامی نقشہ گری کے لیے اجتہاد کو ناگزیر سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک ایسا حل شرعی طریقے پر معلوم کرنا چاہتے ہیں جس میں تحقیق و تدقیق کی گہرائی بھی ہو اور دلیل و برہان کی پختگی بھی، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات اور طعن سے محفوظ بھی ہو اور جس کو رائے عامہ پورے اعتماد و یقین کے ساتھ قبول بھی کرے، نیز اس کی تنفیذ و اجرا میں کوئی دشواری بھی پیش نہ آئے تو پھر اس کے لیے انفرادی اجتہاد کی بجائے شورائی و اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اپنانا ہوگا۔ یہ فتنہ و انتشار سے بچنے کا محفوظ راستہ بھی ہے اور دورِ جدید کا تقاضا بھی۔ یہ طریقہ سلف سے ہم آہنگ بھی ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org